تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کا ترجمان

ماہنامہ

جلد نمبر: 7

شمارہ: 05

انٹرنیٹ گزٹ

مئی 2017ء

المنار

زیر نگرانی: شعبہ اشاعت۔تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن۔یو۔کے

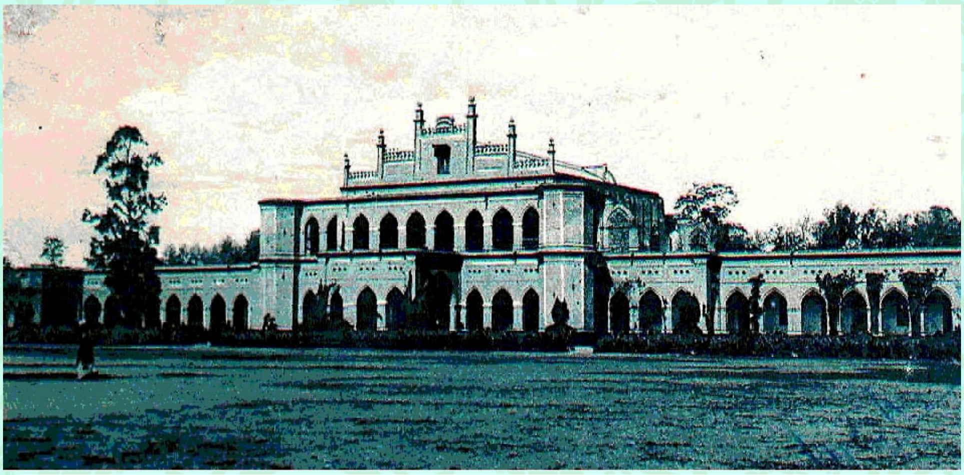

Taleem-Ul-Islam College Old Students Association - U.K

181, London Road, Mordan, SM4 5HF, London.

Ph. 020 8877 5510, 7886304637 - Fax: 020 8877 9987

ticosauk2017@gmail.com - www.alminaruk.com

قال اللہ تعالیٰ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزے اسی طرح فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلوں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔

(البقرہ:184)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

۞ اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ۔

روزہ میرے لئے ہے اور اس کی جزا میں (دیتا) ہوں۔

(صحیح بخاری کتاب الصوم)

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

’’روزہ کی حقیقت سے بھی لوگ ناواقف ہیں۔ اصل میں یہ ہے کہ جس ملک میں انسان جاتا نہیں اور جس عالم سے واقف نہیں اس کے حالات کیا بیان کرے۔ روزہ اتنا ہی نہیں کہ اس میں انسان بھوکا پیاسا رہتا ہے بلکہ اس کی ایک حقیقت اور اس کا اثر ہے جو تجربہ سے معلوم ہوتا ہے۔ انسانی فطرت میں ہے کہ جس قدر کم کھاتا ہے اسی قدر تزکیہ نفس ہوتا ہے اور کشفی قوتیں بڑھتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کا منشا اس سے یہ ہے کہ ایک غذا کو کم کرو اور دوسری کو بڑھاؤ۔ ہمیشہ روزہ دار کو یہ مدنظر رکھنا چاہئے کہ اس سے اتنا ہی مطلب نہیں ہے کہ بھوکا رہے بلکہ اُسے چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہے تا کہ تبتل اور انقطاع حاصل ہو۔ پس روزے سے یہی مطلب ہے کہ انسان ایک روٹی کو چھوڑ کر جو صرف جسم کی پرورش کرتی ہے دوسری روٹی کو حاصل کرے جو روح کی تسلی اور سیری کا باعث ہے اور جو لوگ محض خدا کیلئے روزے رکھتے ہیں اور نرے رسم کے طور پر نہیں رکھتے انہیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور تہلیل میں لگے رہیں جس سے دوسری غذا انہیں مل جاوے۔‘‘

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 102 جدید ایڈیشن)

ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

☆ رمضان دعاؤں، قربِ الٰہی پانے، عبادات اور حقوق العباد ادا کرنے کا مہینہ ہے۔ ☆ خدا تعالیٰ کا عبد بننا اور دعاؤں کی قبولیت کا نظارہ دیکھنا ایک مجاہدہ کو چاہتا ہے اور رمضان کے روزے بھی ایک مجاہدہ ہیں جو اس کا ادراک حاصل کرتے ہوئے ایک مومن کو رکھنے چاہئیں۔ ☆ دعاؤں کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ کی بات کو سن کر اس پر لبیک کہے اور خدا تعالیٰ پر اپنے ایمان میں پختگی پیدا کرے اور اس میں ترقی کرے تبھی ہدایت پانے والا اور حقیقی مومن کا مقام بھی حاصل ہوگا۔

(الفضل 18 اگست 2010)

قرآن کریم کی تلاوت

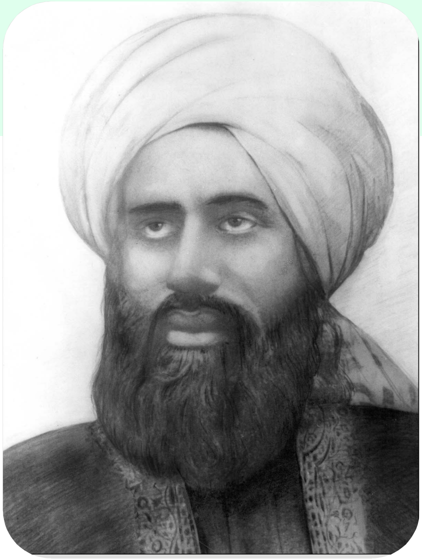

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے بارہا اپنے درس قرآن میں فرمایا کہ:

"قرآن کریم کی تلاوت انسان کی سعادت ہے اور تلاوت کی اصل غرض عمل ہے اور یہ غرض پوری نہیں ہوسکتی جب تک انسان قرآن مجید کے مطالب اور مفہوم سے آگاہی حاصل نہ کرے اور یہ آگاہی قرآن مجید کے ترجمہ اور تفسیر سے ہوتی ہے۔"

(الحکم 7 اکتوبر 1937)

روزہ دار کی عمر لمبی ہوتی ہے

دینی نکتۂ نظر سے روزہ کا مقصد ایمان والوں کو متقی اور پرہیزگار بنانا ہے۔تاہم سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ روزہ دار کی عمر لمبی ہوتی ہے۔جنوبی کیلی فورنیا یونیورسٹی کے پروفیسر والٹر لونگو کا کہنا ہے کہ روزہ رکھنے سے IGF-1(آئی جی ایف۔ون) کی سطح میں کمی آتی ہے اور جسم مرمت mod میں آجاتا ہے اور مرمت کرنے والے کئی جین جسم میں متحرّک ہوجاتے ہیں۔اس طرح انسان لمبی عمر پاسکتا ہے۔شکاگو میں یونیورسٹی کی ڈاکٹر کرسٹا ویراڈی کا کہنا ہے کہ روزے رکھنے سے دل کی بیماریوں کا خطرہ نہیں رہتا۔

(الفضل 17 اگست 2012)

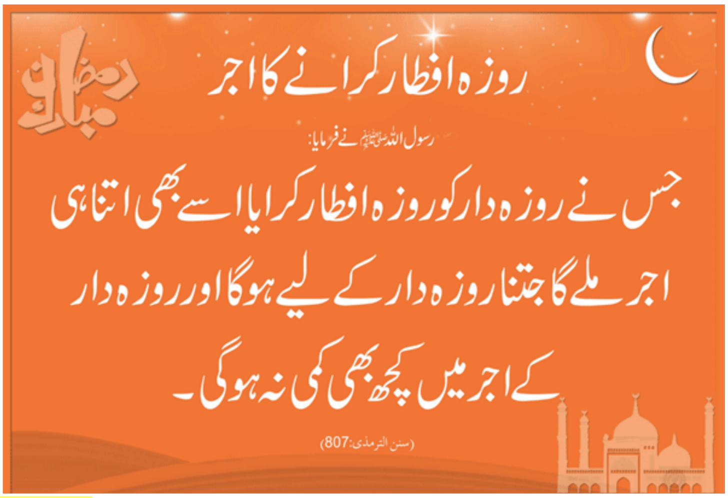

رمضان کا مہینہ..ارشاد عرشی ملک

سایہ فگن ہے سر پہ رمضان کا مہینہ
اُدھڑے ہیں جو بھی بخیئے محنت سے اُن کو سینا
رحمت کے خواں اُٹھائے، آئے اُتر فرشتے
اور اذن لوٹ بھی ہے سو لوٹ لو خزینہ
ساون ہے رحمتوں کا، بھادوں ہے برکتوں کا
بوچھاڑ میں نہا لو، دھو لو دلوں کا کینہ
گو اور بھی مہینے ہر چند معتبر ہیں
ماہ صیام لیکن انمول ہے دفینہ
قرب خدا کو پانا اس ماہ میں سہل ہے
سادہ مثال سمجھو، یہ لفٹ، وہ ہیں زینہ
کنڈی لگا کے دیکھو، جھولی بچھا کے دیکھو
آنسو بہا کے دیکھو، ہر اشک ہے نگینہ
قرب خدا کو پانا کچھ کھیل تو نہیں ہے
جلتا ہے اس دیے میں بس خون اور پسینہ
اس رہگزر میں عرشی مرنا ہی زندگی ہے
آساں تو نہیں یہ جام وصل پینا

مجلس ادارت
رانا عبدالرزاق خان۔عطاء القادر طاہر۔سید حسن خان۔آصف علی پرویز
پروف ریڈنگ
چوہدری بشیر احمد اختر۔پروفیسر عبدالقدیر کوکب
کمپوزنگ وڈیزائننگ
خورشید احمد خادم
مینیجر
سید نصیر احمد

تعلیم الاسلام کالج کی داستان

بانی پرنسپل حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ

(مکرم انجینئر محمود مجیب اصغر صاحب حال ربوہ۔پاکستان)

قسط اوّل

حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ تعلیم الاسلام کالج کے بانی پرنسپل تھے۔1944ء سے انتخاب خلافت تک آپ کو حضرت مصلح موعود خلیفۃ الثانیؓ نے اس عہدے پر فائز رکھا حتیٰ کہ 8نومبر 1965ء کو آپ خلیفۃ المسیح کے روحانی منصب پر فائز ہوگئے اور اپنی وفات (9جون 1982ء) تک خلافت کی ذمہ داری نہایت شاندار طریقے سے نبھاتے رہے۔کالج کی یادیں کبھی آپ کے ذہن سے محو نہیں ہوئیں چنانچہ گاہے بگاہے آپ اپنے خطبات میں کالج کی داستانیں بیان کرتے رہے۔

ان منتخب تحریرات پر اس عاجز نے کچھ ذیلی عناوین لگائے ہیں۔کالج کی داستان بڑی ایمان افروز ہے۔اللہ تعالیٰ کی غیرت، کالج کی امتیازی شان،غریب طلباء کی دلداری،تبلیغی ادارہ ہونے کی نفی،کالج کے پیار کا موقف،کالج کی تاریخ وغیرہ کئی اہم واقعات پر مشتمل یہ حسین داستان کچھ اس طرح ہے۔

(ا)۔جماعت احمدیہ اور اس کے اداروں کے لئے اللہ تعالیٰ کی غیرت

”یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے خدا تعالیٰ اس جماعت کے جو چھوٹے چھوٹے شعبے ہیں ان کے لئے بھی بڑی غیرت دکھاتا ہے۔ ابھی میرے (دوبارہ سفر یورپ پر) جانے سے پہلے اس خاندان کا ایک آدمی آیا جس کے بارہ میں مَیں بتایا کرتا ہوں کہ ان کا بڑا ہوشیار لڑکا تھا top کے نمبر لئے میٹرک میں۔ہمارا کالج لاہور میں تھا اس کے والد کو میں ذاتی طور پر جانتا تھا وہ لڑکا ہمارے کالج میں داخل ہوگیا۔میں نے بڑے پیار سے اُسے داخل کیا۔وہ میرے دوست کا بچہ تھا جو سیالکوٹ کے ایک گاؤں کے رہنے

والے زمیندار تھے۔اس کے چند رشتہ دار غیر مبائع تھے انہوں نے لڑکے کے والد کا دماغ خراب کیا۔اس سے کہنے لگے اتنا ہوشیار بچہ سپیریئر سروسز Superior Services کے Competition میں یہ پاس ہونے والا کہیں D.C. لگے گا۔تم نے یہ کیا ظلم کیا اپنے بچے کو جا کر احمدیوں کے کالج میں داخل کروادیا۔جس وقت یہ انٹرویو میں جائے گا لوگوں کو یہ پتہ لگے گا کہ یہ ٹی آئی کالج میں رہا ہے،اس کو لیں گے نہیں اور یہ دنیوی طور پر ترقی نہیں کرسکے گا۔چنانچہ وہ میرے پاس آگیا میں خالی پرنسپل نہیں تھا اس کا دوست بھی تھا۔میرے دل میں اس بچے کے لئے بڑا پیار تھا۔میں نے اس کو پندرہ بیس منٹ تک سمجھایا کہ اپنی جان پر ظلم نہ کرو خدا تعالیٰ بڑی غیرت رکھتا ہے جماعت احمدیہ اور اس کے اداروں کے لئے،تمہیں سزا مل جائے گی۔خیر وہ سمجھ گیا اور چلا گیا۔پھر انہوں نے بھڑکایا پھر میرے پاس آگیا پھر میں نے سمجھایا پھر چلا گیا پھر تیسری دفعہ جب آیا تو میں نے سمجھا اس کے باپ کو ٹھوکر

نہ لگ جائے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے میں دستخط کر دیتا ہوں مگر تمہیں یہ بتا دیتا ہوں کہ یہ لڑکا جس کے متعلق تم یہ خواب دیکھ رہے ہو کہ وہ سپیریئر سروسز کے امتحان میں پاس ہو کر ڈی سی بنے گا یہ ایف اے بھی نہیں پاس کر سکے گا۔ اس نے مائیگریشن فارم پُر کیا ہوا تھا۔ اتنے اچھے نمبر تھے کہ ٹی آئی کالج سے گورنمنٹ کالج اسے بڑی خوشی سے لے لیتا۔ میں نے اس کے فارم پر دستخط کئے اور وہ اسے لے کر چلے گئے۔ پھر مجھے شرم کے مارے ملا بھی نہیں۔ کوئی چار پانچ سال کے بعد مجھے ایک خط آیا جو شروع یہاں سے ہوتا تھا کہ میں آپ کو اپنا تعارف کروا دوں۔ میں وہ لڑکا ہوں جس کے مائیگریشن فارم پر آپ نے دستخط کیئے تو مجھے اور میرے باپ سے کہا تھا کہ میں ایف اے بھی نہیں پاس کر سکوں گا اور چار پانچ سال کا زمانہ ہو گیا ہے اور میں واقعی ایف اے پاس نہیں کر سکا۔

پھر وہ تجارت میں لگ گیا اب پھر مجھے یہاں ایک خط آیا جو اسی سفر میں ملا جو اس کے بیٹے کا تھا اور اس نے بھی تعارف یہ کہہ کر کروایا کہ میں اس کا بیٹا ہوں جس کو آپ نے یہ کہا تھا کہ تو ایف اے پاس نہیں کر سکے گا۔

پس خدا تعالیٰ جماعت احمدیہ کے ایک کالج اور اس کے ایک پرنسپل کے لئے اتنی غیرت دکھاتا ہے تو خلیفہ وقت کے لئے کتنی غیرت دکھائے گا۔"

(خطبہ جمعہ 25/ اگست 1978ء خطبات ناصر جلد ہفتم صفحہ 392، 393)

(۲)۔ایک کمیونسٹ سائنٹسٹ کی کالج میں آمد کا واقعہ

"پس خدا تعالیٰ اپنے وجود پر اپنے قادرانہ تصرفات سے پر لگاتا ہے اور وہ ایسے عظیم معجزات دکھاتا ہے کہ دنیا ان کا انکار نہیں کر سکتی مثلاً کمیونزم کو لے لو اور خدا کی شان دیکھو کہ ابھی لینن نے عملاً کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا (تھیوری الگ چیز ہے) لیکن ابھی کوئی ملک کمیونسٹ نہیں ہوا تھا اور لینن وہ شخص ہے جس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک دن سر جوڑا اور یہ پروگرام بنایا کہ روس میں کوئی انقلابی تحریک شروع کی جائے چنانچہ اُس دن لینن نے سر جوڑا اور اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اس سے کئی کئی ہفتے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتا دیا گیا تھا کہ روس میں ایک انقلاب عظیم آنے والا ہے۔

ایک دفعہ ایک کمیونسٹ سائنٹسٹ پاکستان میں آکے انہوں نے تعلیم الاسلام کالج کی طرف سے دعوت قبول کی اور یہاں تقریر بھی کی۔

اس وقت میں کالج کا پرنسپل تھا میں نے ان کے کانوں میں یہی بات ڈالی کیونکہ میں سمجھتا ہوں جو ہر یہ دماغ ہے اس پر خدا تعالیٰ کی قدرتوں کے زبردست نشانات بہت اثر کرتے ہیں۔ دنیوی لحاظ سے ان کے دماغ گو بہت اچھے ہوتے ہیں لیکن الٰہی نشانات کو وہ Explain نہیں کر سکتے اور ان کی وجوہات بیان نہیں کر سکتے۔ چنانچہ جب میں نے ان کو یہ بات بتائی کہ تمہیں نہیں پتہ تھا کہ روس میں کیا ہونے والا ہے لیکن ہمیں پتہ تھا بحیثیت جماعت کیونکہ بانئ سلسلہ عالیہ احمدیہ کو بتا دیا تھا کہ روس میں ایک عظیم انقلاب بپا ہونے والا ہے اور یہ زار روس کی حکومت ختم ہو جائے گی جب اس نے یہ بات سنی تو اس کی طبیعت پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔"

(خطبہ جمعہ 16/ اپریل 1976ء خطبات ناصر جلد ششم صفحہ 397)

(۳)۔غریب طالب علم کی دلداری

ایک ایسا طالب علم آیا میرے پاس جس نے بس ذرا کم نمبر وظیفہ سے لئے ہوئے تھے یہ لاہور کی بات ہے اور مہاجر تھا اور ہندوستانی تھا۔ میں نے اس کے کوائف پوچھے تو کہنے لگا ایک پیسہ نہیں خرچ کر سکتا۔ مجھے کسی نے کہا ہے کہ پڑھنا ہے تو تعلیم الاسلام کالج میں چلے جاؤ۔ خیر میں نے پوچھنا شروع کیا۔ مَیں نے کہا تم کہتے ہو ایک پیسہ خرچ نہیں کر سکتا۔ تو دسویں کیسے تم نے پاس کر لی، یہ بتاؤ مجھے۔ پھر اپنی دکھ کی داستان مجھے سنائی۔ کہنے لگا میرا ایک بڑا بھائی ہے۔ وہ کلرک ہے گورنمنٹ کے کسی محکمے میں اور اس وقت تنخواہیں کم تھیں اب تو زیادہ ہو گئی ہیں۔ سو کے قریب اس نے بتایا صحیح نہیں مجھے یاد، کم و بیش سو سے کچھ کم یا کچھ زیادہ۔ یہ اس کی تنخواہ ہے۔ کہنے لگا میرے والد اور والدہ بھی زندہ ہیں اور دونوں نابینا ہیں۔ میرا بھائی والدین کو بھی پالتا ہے اور تھوڑی بہت اس نے میری مدد بھی کی۔ مجھے کھانا کھلاتا رہا۔ گھر میں ہی رہتا ہوں اس نے مجھے کھانا دیا اور تھوڑی سی مدد کی۔ کوئی پنسل لے دی۔ کچھ اور سکول والوں نے میری فیس معاف کر دی اور اس طرح اس نے اتنے اچھے نمبر لئے کہ اگر دس نمبر اور لیتا تو وظیفہ مل جاتا اس کو۔ میں نے کہا ٹھیک ہے تمہیں داخل کروں گا لیکن میرے دماغ نے یہ سوچا کہ اگر پڑھنے کی خاطر

اس نے خود اور اس کے خاندان نے قربانی نہ کی تو ممکن ہے یہ بے توجہ ہو جائے پڑھائی سے۔یعنی اب میں بات کر رہا ہوں۔تب بھی مجھے دکھ ہو رہا ہے کہ میں نے اسے تکلیف دی لیکن وہ تکلیف پہنچانا ضروری تھا میرے نزدیک۔ میں نے اسے کہا کل آ جانا۔دس روپے لے آنا میں تمہیں داخل کرلوں گا۔
میں نے اس کو فرسٹ ایئر میں دس روپے لے کے داخل کیا۔فیس وغیرہ ہر قسم کی اور اس کے بعد ایک دھیلہ اس سے نہیں لیا اور مجھے یقین ہے کہ ان کے گھروں میں ممکن ہے کہ ایک وقت کا کھانا بھی نہ پکتا ہو اس وجہ سے بڑی قربانی ہے یہ یعنی اس قسم کے حالات میں اس پر بڑی قربانی تھی۔اور وہی میں خود اس سے لینا چاہتا تھا اس لئے پڑھنے کے لئے اس خاندان سے لینا چاہتا تھا۔
ایک دفعہ وہ بیمار ہو گیا۔مجھے پتہ لگا میں نے اپنے ایک پروفیسر کو بھیجا۔میں نے کہا اس کو تانگے میں پر بٹھاؤ اور لے جاؤ چوٹی کے ایک ڈاکٹر تھے لاہور۔اب فوت ہو گئے ہیں ان کے پاس لے جاؤ اور ان کو جا کر پہلے کہہ دینا وہ کپڑے دیکھے گا اس کے۔ہیئت کذائی دیکھے گا اور سمجھے گا غریب ہے توجہ نہیں کرے گا۔کہنا یہ لڑکا غریب ہے لیکن جس کالج میں یہ پڑھ رہا ہے وہ غریب نہیں۔اس واسطے اس کی صحیح طرح تشخیص کرو اور بہترین سب سے مہنگی دوا جو تمہارے نزدیک اس کے لئے چاہئے، وہ اس کے لئے نسخہ لکھ دو تم۔اس ایک مریض پر میرا خیال ہے قریباً تین سو روپیہ اس کے اوپر خرچ کیا۔دس روپے اس لئے تھے لیکن دس روپے کا دکھ مجھے اب بھی ہے لیکن ضروری تھا میرے نزدیک۔“

(خطبہ جمعہ دسمبر 1979ء خطبات ناصر جلد ہفتم صفحہ 474،صفحہ 475)

(۴)۔قوم کو تعلیم دلائی جائے یہ تبلیغی ادارہ نہیں

”مَیں تعلیم الاسلام کالج کا پرنسپل رہا ہوں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے بالکل دینی واضح ہدایت دے رکھی تھی کہ اس کالج کو چلانے اور اس پر روپیہ خرچ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قوم کو تعلیم دلائی جائے یہ تبلیغ کا ادارہ نہیں ہے بلکہ تعلیم کا ادارہ ہے۔اس لئے بسا اوقات ہم بعض بڑے بڑے مخالفوں کو جو عملاً مخالفت کرنے والے تھے لیکن اگر وہ مستحق ہوتے تھے تو ہم ان کو مالی مدد دیتے تھے۔1953ء کے فسادات میں دو ایسے طالب علم بھی تھے جو اپنی جہالت اور جنون میں بہہ کر احمدیوں کے خلاف برپا کی جانے والی شورش جس میں گھروں کو جلانا اور احمدیوں کو مارنا پیٹنا وغیرہ شامل تھا اس میں وہ حصہ لیتے تھے اور مجھ سے وظیفہ حاصل کرتے تھے۔
ایک دفعہ ہمارے کالج کے ایک استاد میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یہاں سے یہ وظیفہ لے رہے ہیں اور احمدیوں کے گھروں کو جلانے والے Mob میں جا کر شامل ہو جاتے ہیں (اگرچہ میرے نزدیک ان کا یہ طرزِ عمل ایک کمزوری کے مترادف تھا لیکن بہرحال انسان کا دماغ اس طرف بھی جاسکتا ہے) میں نے انہیں جواب دیا کہ ان کو اس لئے وظیفہ تو نہیں دے رہا کہ احمدیوں کے گھروں کو آگ نہیں لگا رہے ہیں ایک ایسے معاملہ کی جس کے متعلق خدا تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہیں کسی طرح جواب طلبی کرسکتا ہوں لیکن میں نے ان سے کہا کہ اچھا ان کو میرے پاس لاؤ میں ان سے سوال کرتا ہوں۔وہ میرے پاس آئے میں نے ان سے کہا کہ دیکھو بات یہ ہے کہ جہاں تک مذہب کے عقائد کے غلط یا صحیح ہونے کا تعلق ہے تم اپنے رب کے سامنے جوابدہ ہوگے۔مگر سوچ لو تم یہ حرکتیں کر رہے ہو خدا تعالیٰ جب تم سے ان کے متعلق پوچھے گا تو تم کیا جواب دوگے۔تم میرے سامنے جوابدہ ہو اور نہ میں تم سے پوچھتا ہوں لیکن ہوسٹل کے قواعد میں نے بنائے ہوئے ہیں ان کے متعلق تم سے جواب طلبی ہو سکتی ہے۔اس واسطے رات کو نو بجے کے بعد ہوسٹل سے غائب نہیں ہونا۔دن کو جو تمہاری مرضی آئے کرتے رہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔نصیحت اور چیز ہے سمجھانا اور چیز ہے لیکن میں تمہیں نہیں روکوں گا اور نہ ہی اس وجہ سے تمہارا وظیفہ بند کروں گا گو میرے نزدیک یہ باتیں اچھی نہیں لیکن اگر تم ان کو بُرا نہیں سمجھتے تو یہ ایک ایسی بات ہے جس کا تعلق میرے ساتھ نہیں۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اس کے سامنے جا کر جوابدہ ہونا۔“

(خطبہ جمعہ 4/جولائی 1969ء خطبات ناصر جلد دوم صفحہ 721-722)

(جاری...)

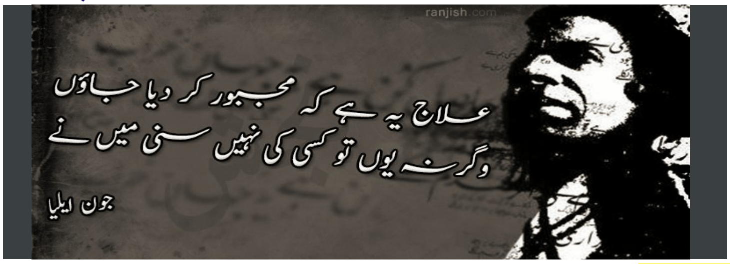

اذان سے ہمارے برتن ناپاک ہوتے ہیں

رنجیت سنگھ کے زمانے میں، پنجاب پر سکھوں کی حکومت تھی، رنجیت سنگھ جنگجو طبعیت کا مالک تھا۔ یہ واقعہ رنجیت سنگھ کے زمانے کا ہے۔ غیر مسلم اکٹھے ہوکر رنجیت سنگھ کے دربار میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ مسلمان جو صبح کو اذان دیتے ہیں، اس سے ہمارے برتن ناپاک ہوتے ہیں، مسلمانوں کو ایسا کرنے سے روکا جائے۔ رنجیت سنگھ نے ایک انوکھا تاریخی حکم دیا کہ مسلمانوں کو ایسا کرنے سے روکا جاتا ہے اور جتنے غیر مسلم یہ شکایت لے کر آئے ہیں ان کی ڈیوٹی لگائی جاتی ہے کہ وہ صبح جس وقت اذان ہوتی ہے، اس سے پہلے ہر مسلمان کے گھر جائیں اور اسے بتائیں کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے۔

غیر مسلموں پر تو جیسے قیامت ٹوٹ پڑی روزانہ ان کو مشقت کرنی پڑتی، نمازیوں کی تعداد مساجد میں بہت زیادہ ہوگئی۔ کچھ دنوں بعد ان غیر مسلموں نے ہاتھ جوڑ لیے، رنجیت سنگھ سے کہا کہ آپ اپنا حکم واپس لیں، مسلمانوں کو اذان دینے دیں، اب برتن ناپاک نہیں ہونگے۔

ثاقب زیروی

فرصت ہے کسے جو سوچ سکے پس منظر ان افسانوں کا
کیوں خواب طرب سب خاک ہوئے کیوں خون ہوا ارمانوں کا

طاقت کے نشے میں چور تھے جو توفیق نظر جن کو نہ ملی
مفہوم نہ سمجھے وہ ناداں قدرت کے لکھے فرمانوں کا

پستے ہیں بالآخر وہ اِک دن اپنے ہی ستم کی چکّی میں
انجام یہی ہوتا آیا فرعونوں کا ہامانوں کا

جب زخم لگیں تو چہروں پر پھولوں کا تبسم لہرائے
فرزانوں کا اتنا ظرف کہاں، یہ حوصلہ ہے دیوانوں کا

اے صبر و رضا کے متوالو، اُٹھو تو سہی، دیکھو تو سہی
طُوفانوں کے مالک نے آخر رُخ پھیر دیا طوفانوں کا

اب آئے جو یار کی محفل میں جاں رکھ کے ہتھیلی پر آئے
اس راہ پہ ہر سُو پہرہ ہے کم فہموں کا نادانوں کا

آندھی کی طرح جو اُٹھے تھے وہ گرد کی صورت بیٹھے ہیں
ہے میری نگاہوں میں ثاقبؔ انجام بلند ایوانوں کا

او گروپ کے خون والوں کو دل کے دورے کا خطرہ نسبتاً کم

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ وہ لوگ جن کے خون کا گروپ او نہیں ہے، انھیں دل کا دورہ پڑنے کا امکان دوسرے لوگوں کے مقابلے میں تھوڑا زیادہ ہوتا ہے۔ سائنس دانوں نے کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اے، بی اور اے بی گروپ والے لوگوں میں خون جمانے والی ایک پروٹین کی مقدار او گروپ کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔ تحقیق کاروں کا کہنا ہے کہ اس سے دل کی بیماری کے خطرے سے دوچار لوگوں کے علاج میں مدد ملے گی۔

تاہم ایک خیراتی ادارے کا کہنا ہے کہ لوگوں کو بیماری کا خطرہ کم کرنے کے لیے تمباکو نوشی چھوڑنے اور صحت بخش خوراک کھانے پر زیادہ توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔ یہ تحقیق یورپین سوسائٹی آف کارڈیالوجی کی کانگریس میں پیش کی گئی اور اس میں 13 لاکھ لوگوں کا جائزہ لیا گیا۔

تحقیق سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے خون کا گروپ او نہیں ہے، انھیں دل کے دورے کا خطرہ 5.1 فیصد ہے۔ جب کہ وہ لوگ جن کے خون کا گروپ او ہے، ان میں یہ شرح 4.1 فیصد ہے۔

چوہدری صاحب

(آصف محمود باسط۔لندن۔قسط چہارم)

سچ پوچھیں تو میں جتنے بزرگوں سے ملنے کے لئے حاضر ہوتا، وہ سب بہت محبت سے ملتے تھے مگر صاحبزادہ صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) نے میری کم عمری کے باوجود جس طرح رک کر مجھ سے بات کی تھی، میری بات سنی تھی، اس توجہ کا دل پر گہرا نقش تھا۔ مگر بات اس سے آگے نہ بڑھی تھی۔ مگر اب جو چوہدری صاحب کو اس محبت بلکہ عقیدت سے آپ کو ملتے ہوئے دیکھا تو دل پر گہرا اثر ہوا۔ دل میں خیال آیا کہ پوچھوں کہ کیا حضرت صاحبزادہ صاحب سے آپ کا کوئی خاص تعلق ہے؟ مگر چوہدری صاحب کی بزرگی اور میری کم عمری ہمیشہ یوں براہِ راست سوالات پوچھنے کی راہ میں رکاوٹ بنتی رہی۔ ایسی بات ہمیشہ کسی بہانے سے پوچھنی پڑتی۔ سو میں نے پوچھا کہ چوہدری صاحب، یہ صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب ہیں نا؟ جواب میں چوہدری صاحب نے حسبِ عادت ایک کتاب کھول لی اور صاحبزادہ صاحب کا تفصیلی تعارف کروایا۔ یہ بھی بتایا کہ جب حضرت صاحبزادہ صاحب تعلیم الاسلام کالج میں زیرِ تعلیم تھے تو کچھ عرصہ چوہدری صاحب کو انہیں پڑھانے کا موقع بھی ملا۔ مگر اس جملہ میں جو احتیاط تھی، وہ چوہدری صاحب کے ادیب ہونے کی گواہی دیتی ہے۔ ادیب بھی وہ جو حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان کے بچے بچے سے محبت میں مبتلا ہے۔ آپ نے یہ نہیں کہا کہ میں ان کا استاد تھا، یا یہ کہ یہ میرے شاگرد تھے۔ اس بارہ میں صرف ایک جملہ کہا اور وہ یہ کہ کچھ دیر مجھے بھی ان کی کلاس کو پڑھانے کا موقع ملا۔ میرے لئے یہ بات اور بھی متاثر کرنے والی تھی۔ اگرچہ حضرت صاحبزادہ صاحب بھی محترم چوہدری صاحب سے بہت محبت اور عزت سے ملے تھے، مگر چوہدری صاحب کے انداز میں بھی ایک عجیب احترام کا رنگ نمایاں تھا۔ ایسے جیسے کسی زمانہ میں خود صاحبزادہ صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے رہے ہوں۔ یہ شعر تو بعد میں پڑھا کہ

شرم سی کچھ، حجاب سا کچھ ہے
قرب بھی بے حساب سا کچھ ہے

مگر اس کا عملی رنگ اس روز نظر آیا۔ چوہدری صاحب کے دل میں یوں تو خاندانِ مسیح موعودؑ کے چھوٹے بڑے ہر فرد کی محبت ٹھاٹھیں مارتی رہتی تھی، مگر اس ملاقات کا عجیب رنگ تھا۔ مجھے یقین ہے کہ محترم چوہدری صاحب کو اس قیمتی ہیرے کی وہ جہات بھی نظر آتی تھیں جو تب تک عام آنکھ نے نہ دیکھی تھیں۔ اور پھر جب حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) خلافت کے مرتبہ جلیلیہ پر متمکن ہوئے تو چوہدری صاحب نے اپنی اس جوہر شناسی کا یوں اظہار بھی کر دیا کہ

جس حُسن کی تم کو جستجو ہے
وہ حسن، ازل سے باوضو ہے

اور چوہدری صاحب جس طرح آپ سے ملے تھے، اس کا عملی رنگ تو اس روز دیکھ ہی لیا تھا، مگر اس عقیدت اور احترام کے پیچھے کار فرما راز جب خدا نے دنیا پر افشا کر دیا تو آپ نے اسے یوں کہہ بھی دیا کہ:

خاموش! مقام ہے ادب کا
آقا مرا محوِ گفتگو ہے

کوئی اور استاد ہوتا تو اپنے عالی مرتبت شاگرد کے ذکر پر اپنے تعلق کا نہایت بھونڈا اظہار بھی کر سکتا تھا، یہ کہہ کر کہ میں ان کا استاد ہوں، یا یہ کہ یہ میرے شاگرد رہے ہیں۔ مگر چوہدری صاحب اپنے قد کو اس طرح اونچا کرنے کے قائل نہ تھے۔ چوہدری صاحب کے سامنے تو بلکہ اگر کوئی کہہ دیتا کہ آپ حضرت خلیفہ رابعؒ کے استاد رہے ہیں تو چوہدری صاحب محاورۃً نہیں حقیقۃً دست بستہ ہو جاتے۔ رقت طاری ہو جاتی، کبھی دونوں ہاتھ جوڑتے، کبھی کانوں کو ہاتھ لگاتے۔ یہ چوہدری صاحب کی عقیدت تھی جو شریعت سے اچھل کر طریقت کی وادیوں میں انہیں لے جایا کرتی۔

محبت کے اظہار میں چوہدری صاحب کے رنگ ایسے ہی تھے۔ بے تہاشگی اور وارفتگی اس اظہار کے نمایاں رنگ تھے۔ بزرگانِ سلسلہ سے محبت کا اظہار اگرچہ اپنا الگ رنگ ہی رکھتا تھا، مگر عام آدمی سے بھی اظہارِ محبت بے تحاشا کرتے اور کھل کر کے کرتے۔ عام آدمی ہر خلافِ معمول بات کو سمجھ نہ پائیں تو اس کا استہزا کر کے اپنی کم فہمی پر پردہ ڈالتے ہیں۔ چوہدری صاحب کا اظہارِ محبت بھی معمول، اور یوں عام عقل سے، بالاتر تھا۔ مگر اس محبت کا خمیر جماعت احمدیہ کی محبت ہی سے اٹھا تھا۔ نوجوانوں میں انہیں جماعت احمدیہ کا آنے والا کل نظر آتا۔ وہ جانتے تھے کہ چمن میں آئے گی فصلِ بہاراں، ہم نہیں ہوں گے۔ مگر تب یہ نوجوان تو ہوں گے۔ سو نوجوان نسل سے محبت اور قرب کا اظہار دراصل ان نوجوانوں کی آنکھوں سے جماعت احمدیہ کے تابناک مستقبل کو دیکھنے کی ایک آرزو ہی تھی۔

محبوبوں کی اس جماعت میں رہنا چوہدری صاحب کا محبوب مشغلہ تھا۔ بقول عبیداللہ علیم صاحب

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں
کسی بہانے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں

سو چوہدری صاحب بھی اُس دنیا میں رہنا پسند کرتے تھے۔ جوان کے ساتھ محبت کے اس خواب نگر میں رہنا پسند کرتا، چوہدری صاحب اس سے بھی محبت کرنے لگتے:

کیسے کیسے خوبرویوں سے ملاقاتیں رہیں
آنکھ کُھل جاتی تو ان چہروں کو کیونکر دیکھتے

اور پھر آپ کی صحبت سے فیضیابی میں ایک بڑا فیض یہ بھی تھا کہ انسان خود بھی چوہدری صاحب کے محبوبوں کے اس لشکر کی محبت میں مبتلا ہو جاتا، اور یہ مشاہدہ تجربہ کی سطح تک آ جاتا:

تجربہ تم کو بھی ہو جاتا عذابِ دید کا
تم اگر ان فاصلوں کو اپنے اندر دیکھتے
ہر کوئی اپنا نظر آتا تمہیں بھی عشق میں
اُٹھ کے سینے سے لگاتے جس کو مضطر دیکھتے

اور پھر یہ محبت چوہدری صاحب سے محبت کا باعث بن جاتی:

محبت ہو گئی ہے تجھ سے مضطؔر
تو کس محبوب کا نوکر رہا ہے

یہ تو چوہدری صاحب کے دن کا احوال تھا۔ راتوں کا احوال تو یا وہ خود جانتے تھے یا ان کا خدا۔ مگر یہ رنگ آپ کے اشعار میں در آتا۔ مگر یہ احوال بھی خال خال ہی کسی کو نظر آیا۔ چوہدری صاحب نے اپنے دن پر بھی چہروں کی چادر تان رکھی تھی۔ جو پاس بیٹھتا، اسے چوہدری صاحب کے محبوبوں کے چہرے ہی نظر آتے۔ لوگ چوہدری صاحب کے بعض اشعار کو مزاحیہ شعر خیال کر بیٹھتے، جب کہ ان میں بھی ایک درد چھپا ہوتا۔ مثلاً ایک شعر جس کو لوگ بڑے وثوق سے مزاحیہ شعر خیال کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ:

اکھاں دی رکھوالی رکھ
پاویں عینک کالی رکھ

چونکہ چوہدری صاحب کی آنکھیں روشنی سے حساس تھیں، لہٰذا آپ مستقل کالی عینک پہنے رہتے۔ یہاں تک کہ رات کی مجالس میں بھی آپ کالی عینک میں دیکھے جاتے۔ اسی کالی عینک کی مجبوری (اور شاید عادت بھی) کے باعث لوگوں نے اس گہرے شعر کو محض مزاحیہ خیال کر لیا، ورنہ خیال کی سطح پر یہ شعر بہت اونچا ہے۔ اسی طرح وہ جو چوہدری صاحب نے لکھا کہ:

اوڑھ کر چہروں کی چادر دھوپ کو ٹھنڈا کیا

اس سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ چوہدری صاحب خود ایک سے زیادہ چہرے اوڑھ کر اپنا کام نکالا کرتے۔ بلکہ میں نے تو اس شعر کو یوں سمجھا کہ آپ ان چہروں کے ہجوم میں کھو کر اپنے دکھوں اور غموں سے بے نیاز ہو جایا

کرتے جو اس ہجوم میں نظر آنے والے چہرے تھے۔ اس ہجوم میں آپ کے محبوب جابجا کھڑے تھے۔ خیر، عرض یہ کر رہا تھا کہ چوہدری صاحب نے اپنے دن اور دل کے احوال سے کم ہی کسی کو خبر دی۔ کچھ تو آپ خود بھی کوشش کرتے کہ آپ سے ملنے والے اس دشت کی سیاحی کی فرمائش نہ ہی کریں، اور کچھ آپ سے ملنے والے اور آپ کو جاننے والے بھی جانتے تھے کہ چوہدری صاحب اپنی تمام تر شفقتوں کے باوجود برہم بھی بڑے زور سے ہوتے۔ پھر "چوہدری" صاحب کی آواز کی کڑک انسان کو ہلا کر رکھ دیتی۔ سو آپ کی دائرہ در دائرہ در دائرہ دنیا میں سفر کرنے کے متمنی بعض دائروں سے دور رہنے ہی میں عافیت جانتے۔ مگر اس برہمی کا بھی عجیب رنگ ہوتا کہ اس میں بھی چوہدری صاحب کی بزرگانہ شان نظر آتی۔ جس سے برہم ہوتے وہ تو کڑک دار آواز سن کر اپنی راہ لیتا، مگر جو بعد میں بیٹھے رہ جاتے وہ چوہدری صاحب کو ٹوٹتے بکھرتے اور کرب میں مبتلا ہوتے دیکھتے۔ جس سے ناراض ہوتے اس کی محبت چوہدری صاحب کے بہت بڑے دل کی کسی درز سے رسنے لگتی اور برہمی کو دھو ڈالتی۔ اور وہ جو چوہدری صاحب کی ڈانٹ فصیح و بلیغ انگریزی میں سن کر گیا ہوتا، اسے بھی دور رہ کر کہاں چین آتا۔ وہ خود بھی جلد واپس آ نکلتا، ورنہ چوہدری صاحب اسے خود بلا بھیجتے۔ پھر اسے ساتھ لگاتے، رقت کا غلبہ ہو جاتا، کسی ماں کی طرح اسے خوب چمکارتے اور تھوڑی ہی دیر میں وہ شخص چوہدری صاحب کی انگلی تھامے ٹی آئی کالج کی راہداریوں یا وادیٔ نیلم کے سبزہ زاروں یا باسکٹ بال کے کورٹ میں کھڑا جماعت احمدیہ کی تاریخ کو چوہدری صاحب کی آنکھوں بلکہ عینک سے دیکھ رہا ہوتا۔

بہر حال، بات چل رہی تھی چوہدری صاحب سے کُھل کر ملنے اور ان کے روز و شب کا احوال جاننے کی۔ اس بات کو آپ ہی کے ایک شعر پر ختم کرتا ہوں:

میں اپنے آپ سے بھی کُھل کے مل نہیں سکتا
اگرچہ اِس کا کیا بارہا ارادہ بھی

بعض باتوں کا وہ اکثر کہتے کہ کبھی پھر بتاؤں گا۔ یہ شاید چوہدری صاحب کا حُسنِ گریز تھا۔

وہ دل کی بات تھی، کُھل کر زباں پر آ نہ سکی
اگرچہ اس نے کیا بار بار وعدہ بھی

بات چل رہی تھی رات کے پوشیدہ احوال کی جو شعروں میں ڈھل کر سامنے آ گیا ورنہ پوچھنے کی ہمت بھلا کون کرتا:

جاگ اے شرمسار! آدھی رات
اپنی بگڑی سنوار آدھی رات

رات کو شیشا دکھا کر شہر کی تصویر لی
دور تک کھڑکی کے رستہ، چاند کا پیچھا کیا

آدھی رات کے آنسو ڈھل
ڈھل! میرے تقدیر بدل

شب ہائے بے چراغ کی کوئی سحر بھی ہو
اے لمحۂ فراق، کبھی مختصر بھی ہو

راتوں کو اٹھ کے آنکھ کا آبِ حیات پی
ان خشک سالیوں میں سرِ پُل سراط پی
زہرِ غمِ حیات بھی پینے کی چیز ہے
اس کو بھی آزما، اسے بھی آج رات پی

پس، راتوں کو اکیلے ہوتے تو شاید اپنے ہی شعر پر عمل کرتے ہوں گے کہ

تم اپنے آپ سے ملتے اگر اکیلے تھے
کڑا تھا وقت تو ہنس کر گزار دینا تھا

پھر اپنے رب کے سامنے شرمساری کا نیم شبی اظہار اور اپنے آپ سے ملنے کی آنکھ مچولی میں نیند آ جایا کرتی ہو گی

رات غم کی داستاں، ہم بھی نہ مضطر سُن سکے
بات لمبی ہو رہی تھی، نیند نے غلبہ کیا

(..جاری)

ایک عظیم سائنس دان - پروفیسر عبدالسلام

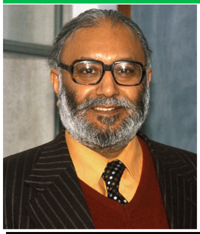

سیم اور تھور کے مسئلہ کا حل

(پروفیسر آصف علی پرویز - لندن)..قسط:28

دوست: پروفیسر عبدالسلام صاحب تو ذروں کی دنیا کے سائنسدان تھے۔ بھلا انکا سیم اور تھور کے مسئلہ سے کیا تعلق!

آصف: آپ بجا کہتے ہیں لیکن پروفیسر عبدالسلام صاحب جھنگ جیسے پسماندہ اور دیہاتی علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ زمانہ طالب علمی میں جب وہ بس پر لاہور جاتے تو یہ دیکھ کر حیران ہوتے کہ ہزاروں ایکڑ زمینیں سیم اور تھور کا شکار تھیں۔ جن پر زمیندار کوئی فصل نہیں اُ گا سکتا تھا۔

دوست: اب تو لندن میں آپ کا بڑے بڑے سائنسدانوں سے رابطہ تھا۔ پھر آپ ساری دنیا میں سائنسی کانفرنسوں میں جا کر دوسرے سائنسدانوں سے بھی تبادلہ خیالات کرتے تھے۔ اس لئے اس بارے میں آپ نے کیا کچھ کوشش کی؟

آصف: آپ ایک دفعہ کیلی فورنیا کی ایک یونیورسٹی میں خطاب کرنے کیلئے گئے۔ وہاں انہوں نے پاکستان کے علاقہ میں انگریزوں کے بنائے ہوئے نظام آبپاشی کا ذکر کرتے ہو بیان کیا کہ بلا شبہ پاکستان میں نہروں کا ایک جال بچھا ہوا ہے لیکن برطانوی حکومت اور بعد میں آنے والی پاکستانی حکومت نے بھی زرعی ٹیکنالوجی کو متعارف کروانے کیلئے کوئی خاص ادارہ قائم نہیں کیا۔ صرف فیصل آباد میں ایک زرعی یونیورسٹی اور لاہور میں ایک انجینئرنگ کالج کو کافی سمجھا گیا۔

دوست: یہ بات تو بالکل درست ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ آج بھی ملک میں زراعت معیشت کیلئے ریڑھ کی ہڈی کا کام کرتی ہے۔ اس کی ان تقاریر کا کچھ اثر بھی ہوا!

آصف: آپ کی کوششوں سے 1961ء میں ہی راجر ریویل (Roger Revelle) کی سربراہی میں ایک سائنسی مشن پاکستان بھیجا گیا۔ اس میں یونیورسٹیوں کے سائنس دان، آبپاشی کے ماہر اور انجینئر شامل تھے۔

دوست: کیا آپ کے ذہن میں کوئی خاص واقعہ ہے جس کے نتیجہ میں یہ وفد پاکستان آیا۔

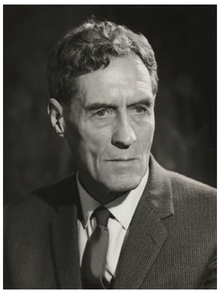

آصف: ہوا یوں کہ 1961ء میں امریکہ کی ایم آئی ٹی یونیورسٹی کی صد سالہ تقریب میں مدعو کئے گئے تھے۔ وہاں مشہور نوبل انعام یافتہ برطانوی سائنسدان پروفیسر بلیکٹ (Professor Blakett) نے اپنے خطاب میں کہا کہ تیسری دنیا کے ممالک کو سائنس میں تحقیق کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بہت مہنگی ہے۔ وہ بازار سے بنی بنائی ٹیکنالوجی خرید سکتے ہیں۔

دوست: یہ کیا عجوبہ خیال ہے۔ کیا پروفیسر عبدالسلام صاحب اس سے متفق تھے؟

آصف: نہیں! آپ نے اپنے خطاب میں کہا کہ ترقی پذیر ممالک کے اپنے پیچیدہ مسائل ہیں۔ جن پر پہلے تحقیق کی ضرورت ہے۔ آپ نے اس سلسلہ میں پاکستان میں سیم اور تھور کے مسئلے کا ذکر کیا۔

دوست: تو پھر کیا ہوا؟

آصف: اتفاق سے اس وقت اس میٹنگ میں صدر کینیڈی کے سائنسی مشیر بھی تھے۔ انہوں نے پروفیسر عبدالسلام صاحب کو واشنگٹن آنے کی دعوت دی تا کہ صدر کینیڈی کی منظوری کے بعد ایک سائنسی وفد پاکستان بھجوایا جا سکے۔

دوست: یہ ہے حب الوطنی کی عظیم الشان مثال! گو آپ گئے تو تھے ذروں کی تحقیق کی سائنسی کانفرنس میں لیکن وہاں بھی آپ نے پاکستان کے زرعی مسائل کو مقدم رکھا۔ تو کیا آپ واشنگٹن تشریف لے گئے۔

آصف: یقیناً! اتفاق سے اس وقت صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خان صاحب بھی صدر کینیڈی کے ساتھ ملاقات کیلئے واشنگٹن آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ

پروفیسر عبد السلام صاحب کی موجودگی میں صدر کینیڈی نے یہ سائنسی وفد پاکستان بھجوایا۔

دوست: تو ان سائنسدانوں اور ماہرین نے کیا تجویز کیا؟

آصف: ان سائنسدانوں نے اس مسئلہ کا تفصیلی تجزیہ کیا اس کے بعد انہوں نے تجویز کیا کہ سیم زدہ علاقوں میں ٹیوب ویلوں کا ایک جال بچھایا جائے۔ ان ٹیوب ویلوں کے ذریعہ جو پانی نکالا جائے انہیں پختہ سیم والے نالوں کی مدد سے دور دراز تک پہنچا دیا جائے۔

دوست: ان سے کیا فائدہ ہوگا؟

آصف: ان سے دو فائدے ہوں گے۔ اول یہ کہ سیم زدہ علاقوں سے پانی نکالنے سے زیر زمین پانی کی سطح بہت نیچے ہو جائے گی۔ اور دوسرے خارج شدہ پانی دور دراز کی ان زمینوں کو سیراب کرے گا جہاں ویسے پانی نہیں پہنچ سکتا۔

دوست: واہ! یہ تو بہت اچھا علاج ہے۔ ''آم کے آم اور گھٹلیوں کے دام'' آپ نے سائنسی ترقی کیلئے اور کیا اقدام اُٹھائے؟

آصف: انشاءاللہ اس کا ذکر اگلی محفل میں۔

مبارک ظفر

وضو اشکوں سے کرنا تو نمازِ عشق ادا کرنا
خدا والوں کی سنت ہے کہ یوں یاد خدا کرنا
نہیں یہ بس میں فرزانوں کے دیوانوں کا شیوہ ہے
مثالِ شمع تاریکی میں صبح تک جلا کرنا
خدا نے اِنِّی مَعَکَ نوشتوں میں کہا جس کو
اسی کا کام ہے خطرات میں بھی جا لڑا کرنا
کئی سالوں سے جس کے منتظر تھے تم خدا والو
''مبارک ہو تمہیں برلن میں مسجد کی بِنا کرنا''
خدیجہ نام جس کا حضرتِ مسرور نے رکھا
عبادت کے حسیں زیور سے اس کو ہے سجا کرنا
ترے بندے نے تیرے نام سے یہ ابتدا کر دی
یہ تیرا کام ہے مولیٰ اسے اب انتہا کرنا
بِنا میں سوز و سازِ روحِ ابراہیم رکھا ہے
خدایا ارضِ برلن پر اسے قبلہ نما کرنا
خدا کے فضل کا مورد یقیناً بن گیا ہوگا
غلامانِ مسیحِ وقت کا حمد و ثنا کرنا
ظفرؔ ہم پہ عنایات و کرم احسان ہے ورنہ
بھلا ممکن کہاں ہے بندگی کا حق ادا کرنا

اب سمارٹ فون آپ کی شوگر کو کنٹرول کرے گا

سائنسدانوں نے چوہوں میں زندہ خلیوں کے حرکات سکنات کو کنٹرول کرنے کے لیے سمارٹ فون کا استعمال کیا ہے۔ حیاتیات اور ٹیکنالوجی کے مرکب

کا استعمال ذیابیطس سے متاثرہ چوہوں کے خون میں شوگر کی سطح کو کنٹرول کرنے کے لیے کیا گیا۔

سائنس ٹرانسلیشن میڈیسن نامی جریدے میں یہ تحقیق شائع ہوئی ہے اور سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ اس طریقے کا بہت سی بیماریوں میں استعمال ہو سکتا ہے۔ چینی سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ اس طریقے سے طب میں ایک نئے عہد کا راستہ کھل سکتا ہے۔

اس میں عام خلیوں میں جینیاتی طور پر تبدیلیاں کی گئیں ہیں تا کہ ایسی دوا بنائی جا سکے جو انسولین کی طرح خون میں شکر کی سطح کو کنٹرول کرتی ہے اور یہ مخصوص روشنی کے جواب میں ہی ایسا کرتی ہے۔

اس طریقۂ کار کو آپٹو جینیٹکس کہا گیا ہے اور یہ خلیے اسی وقت حرکت میں آئیں گے جب یہ سرخ روشنی کی مخصوص شعاعوں کے روبرو ہوں۔ اس کے بعد ٹیکنالوجی حرکت میں آتی ہے جس میں بغیر کسی تار کے توانائی والے ایل ای ڈی کے سیٹ کو سمارٹ فون ایپ کے ذریعے کنٹرول کیا جاتا ہے۔

شنگھائی میں قائم ایسٹ چائنا نورمل یونیورسٹی میں محققین نے اس قسم کے ایک نظام کو چوہوں میں امپلانٹ کیا اور وہ چوہوں میں ذیابیطس کو ٹچ سکرین کے ذریعے کنٹرول کرنے میں کامیاب رہے۔

سائنسدانوں کو خون کے ذرہ برابر قطرے درکار تھے تا کہ وہ یہ جان سکیں کہ خون میں شکر یا شوگر کی سطح کیا ہے تا کہ وہ اس کے حساب سے جانور کے اندر دوا کی مقدار چھوڑ سکیں۔ ان کا حتمی ہدف ایک ایسے نظام کو سرگرم عمل کرنا ہے جس کے تحت خون میں شوگر کی سطح کا پتہ چلتا رہے اور اس حساب سے دوا کی مقدار خودکار طریقے سے جسم میں جاتی رہے۔